قرآن مجید اور اس کی حفاظت

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

(۳)

از جناب مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

اب تھوڑا سا حال تورات کا اور سن لیجئے۔ ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ :-

تورات کا حال اناجیل سے بسا غنیمت ہے اس لئے کہ اس کو یہود کی حکومت کی طاقت بھی حاصل تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ان کے متبعین کی ایک بڑی جماعت تھی پھر ان کے بعد تک بھی یہ سلسلہ قائم رہا ان میں بہت سے انبیاء ہوتے رہے، جیسے یوشع وداؤد وسلیمان علیہم السلام جن کے ذریعہ سے حفاظتِ تورات کی تجدید ہوتی رہی۔ البتہ تورات کیلئے مخالف زمانہ وہ آیا ہے جبکہ سلیمان علیہ السلام کے بعد ان میں کفر ظاہر ہوا بت پرستی رواج پاگئی انبیاء کے قتل کی ناپاک خصلت پیدا ہوگئی اور تورات کو جلانا اور بیت المقدس پر پے درپے لوٹ ڈالنا ان کا شعار بن گیا، نوبت بایں جا رسید کہ اسی کفر وطغیان کے حال میں ان کی سلطنت تباہ ہوگئی۔ [۱]

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ :-

"یہود اپنی شریعت سبت اور دوسرے احکام کو تورات پر محمول کرتے ہیں حالانکہ ان احکام کا تو کیا خود تورات کا ثبوت ان کے پاس نہیں ہے کیونکہ اس پر ان کا اتفاق ہے کہ ان کے اوائل اصحاب سب مرتد ہوکر دینِ موسوی چھوڑ بیٹھے تھے اور سینکڑوں برس تک بت پرستی میں مشغول رہے یہ بات

---

[۱] کتاب الفصل ج ۲ ص ۴۔

قطعاً محال ہے کہ ایک کافر بت پرست بادشاہ اور اس کے ساتھ تمام جماعت اس شریعت سبت یا کسی دینِ الٰہی پر عمل پیرا یا اس کی محافظ ہو۔" ۵۱

حافظ ابن تیمیہؒ کا بیان ہے۔

"جب پہلی مرتبہ بیت المقدس تباہ ہوا اور بنو اسرائیل کو جلا وطن کر دیا گیا تو اس کے بعد اصل تورات کا کہیں پتہ نہ رہا۔ یہود کا گمان ہے کہ ایک شخص مسمی عازر[۵۲] نے ان کو تورات پھر لکھوائی تھی اور وہ نبی تھا مگر اس کی نبوت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ اس لئے تورات کی نقل گو ایک زمانہ تک بطور تواتر رہی مگر درمیان سے سلسلۂ نقل مفقود ہو جانے کی وجہ سے اس وقت تورات کو یقین کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔" ۵۲

پھر فرماتے ہیں کہ

یہود و نصاریٰ سب کو یہ امر معلوم ہے کہ جب پہلی مرتبہ بیت المقدس برباد ہوا اور اس کے باشندے قید کر لئے گئے تو عام طور پر تورات کے نسخہ نابود ہو گئے اس کے بعد بقول یہود عزیر نے ان کو توریت لکھوائی اور ایک نسخہ کہیں سے ان کو اور ملا اُس سے اس کا مقابلہ کر لیا گیا۔ مگر چونکہ مقابلہ دو شخص کر سکتے ہیں، اور دو شخصوں میں غلطی کا احتمال پھر باقی رہ سکتا ہے اس کے دفع کے لئے ضروری ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ تورات کسی نبیٔ معصوم سے حاصل کی گئی تھی یا کسی نبیٔ معصوم نے اس کے جملہ الفاظ کی تصدیق کی تھی اس وقت البتہ اس کی یقینی تصدیق ہو سکتی ہے مگر جبکہ نہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ کسی نبیٔ معصوم نے اس کتاب کو سپرد کیا نہ بطریق تواتر اس کی سند حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچتی ہے تو پھر کیونکر اس کو کتاب الٰہی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔" ۵۳

---

۵۱ کتاب الفصل جلد ۲ ص ۶۸۔ ۵۲ الجواب الصحیح ج ۱ ص ۳۶۸۔ ۵۳ " ج ۲ ص ۱۷

۵۲ اس شخص کے نام میں اختلاف ہے کہیں عزرا، اور کہیں عزیر ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں آپ کے ملاحظہ سے گذریگا۔

اس واقعہ کو حافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اور امام بغوی المتوفی ۵۱۶ھ نے بھی زیر آیت وقالت الیھود عزیر ابن اللہ نقل فرمایا ہے۔ ہر دو تفاسیر کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمالقہ اور بخت نصر کے زمانہ میں جب ایک عالمگیر تباہی بنی اسرائیل پر آئی اور ان کے علماء قتل کر دئے گئے تو دوبارہ ان کو تورات کا نسخہ صرف عزیر کے واسطہ سے حاصل ہوا ہے۔ امام بغوی کی تفسیر میں ہے کہ۔

چونکہ عزیر اس وقت بہت بچے تھے اس لئے ان کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔

جس نسخہ سے عزیر کی عطا کردہ تورات کا مقابلہ کیا گیا تھا وہ صرف ایک شخص کے بیان پر برآمد ہوا ہے چنانچہ امام بغوی فرماتے ہیں۔

ان رجلا قال ان ابی حدثنی عن جدی	ایک شخص نے بیان کیا کہ میرے والد نے میرے دادا سے
ان التوراۃ جعلت فی خابیۃ ودفنت	روایت کی ہے کہ توراۃ ایک گوشہ میں چھپائی ہوئی تھی
فی کرم فانطلقوا معہ حتی اخرجوھا	اور انگوروں کے باغ میں مدفون تھی پس وہ سب اس کے
فعارضوھا بما کتب لھم عزیر فلم	ساتھ چلے اور اس کو نکال لیا۔ اب جو انھوں نے عزیر
یجدوہ غادر منھا حرفا اھ	کی لکھائی ہوئی توراۃ کا اس سے مقابلہ کیا تو اس میں ایک

عزیر کو تورات ملنے کی جو صورتیں لکھی ہیں وہ بھی کچھ عجیب ہیں مگر یہ امر زیادہ موجب شک ہے کہ جب پہلا نسخہ موجود تھا تو عزیر پر بجائے از سر نو تورات الہام کئے جانے کے اس اصل نسخہ کے متعلق ہی الہام کیوں نہ ہو گیا تاکہ بسہولت وہ نسخہ اپنی جگہ سے نکال لیا جاتا اور وہ نسخہ یقیناً ان کا مصدقہ بھی ہوتا۔

آخر پھر بھی عزیر کی تورات کی تصدیق اس نسخہ سے مقابلہ کے بعد ہی ہوئی پھر اس طوالت کی حاجت کیا تھی اس کے بعد صرف اس شخص واحد کا یہ بیان ہے کہ میرے باپ دادا یہ کہتے چلے آئے تھے کہ تورات یہاں مدفون ہے اب معلوم نہیں ہے کہ جو تورات یہاں مدفون تھی وہ درحقیقت وہی تورات تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی یا کوئی اور جعلی تورات تھی جس کو پہلے سے یا اب محض بنی اسرائیل کو دھوکہ دہی کی غرض سے ایک فرضی

اسناد کے ساتھ دفن کر دیا گیا تھا۔ مزید برآں یہ کہ اب تک یہ بات ثابت نہیں کہ یہ مخبر شخص کون تھے تاکہ ان کی ثقاہت پر اطمینان کر کے واقعہ کی کسی قدر تصدیق ممکن ہو سکے۔ پھر اس جگہ غور کرنے والے کے لئے ایک عجیب منطقی دور پیدا ہو جاتا ہے یعنی عزیر کی عطا کردہ تورات کی تصدیق تو اس نسخہ پر موقوف ہے اور اس نسخہ کی تصدیق عزیر کی تورات پر موقوف ہے جب تک کہ ایک نسخہ کا صدق اپنی جگہ پہلے ثابت نہ ہو لے اس وقت تک عند المقابلہ ایک نسخے سے دوسرے کی تصدیق طفلانہ خیال ہے صرف یہ ظن و تخمین دنیوی معاملات میں تو کفایت کر سکتا ہے مگر جہاں تواتر کی ضرورت ہو اس جگہ ایسے مشتبہ قرائن سے مقصد براری کی توقع محض غلط ہے بالخصوص جبکہ یہود کے نزدیک تواتر کی شرطیں جمہور سے بھی کچھ زیادہ سخت ہیں [۱]۔

اس موقع پر علامہ رشید رضا کی تنبیہ نہایت اہم ہے وہ فرماتے ہیں کہ

> اس سلسلہ کی جو روایات درج ہو چکی ہیں یہ سب زنادقہ یہود سے ماخوذ ہیں ہاں جو نسخہ کہ عزیر نے بیت مقدس کی تخریب اور ہیکل کے جل جانے کے بعد خود لکھا تھا اس میں ایک حصہ تورات کا بھی شامل تھا اور بہت سا حصہ شریعت بابلین کا تھا یہی وجہ ہے کہ اس میں بے شمار الفاظ لغت بابلیہ کے پائے جاتے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی لکھتے ہیں کہ

> جمہور اہل کتاب کا خیال ہے کہ السفر الاول والثانی من اخبار الایام۔ عزیر نے باعانت حجی و زکریا علیہما السلام لکھی ہیں لہذا یہ کتابیں فی الحقیقت ان تین انبیاء کی تصنیف کردہ ہوئیں۔ با ایں ہمہ آٹھویں اور ساتویں باب کے سفر اول میں جو بیان بنیامین کی اولاد کے متعلق درج ہے وہ قطعاً متعارض ہے، ساتویں باب میں بنیامین کے تین بیٹے اور آٹھویں باب میں پانچ بیٹے بتائے گئے ہیں اور خود تورات میں دس ہیں۔ علماء اہل کتاب کا اتفاق ہے کہ سفر اول کا بیان غلط ہے اور اس کی وجہ

---

[۱] دیکھو توجیہ النظر صفحہ ۱۱۵ مصنفہ طاہر بن صالح دمشقی جو اسی صدی کے علماء میں سے ہیں۔

یہ ذکر کی گئی ہے کہ عزار کو اولاد اور پوتوں میں تمیز نہ ہوئی اس لئے یہ مغالطہ لگا نیز اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ نسب نامہ کے متعلق جن اوراق سے عزرا نے نقل کیا تھا وہ ناقص تھے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ اگر یہ تورات درحقیقت وہی موسوی تورات تھی تو ان ہر سہ انبیا نے اس کا خلاف کیسے کیا بظاہر تو یہ متبعینِ تورات ہی ہونگے لہٰذا صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ تورات دراصل تورات ہی نہ تھی ورنہ اس کا خلاف نہ کیا جاتا۔ یہاں سے ایک ضمنی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جیسا کہ اہلِ کتاب کے نزدیک انبیاء صدورِ کبائر سے معصوم نہیں ہیں اسی طرح تحریر و تبلیغ میں خطا سے بھی معصوم نہیں۔ ورنہ ان ہر سہ انبیاء کو آخر تک یہ غلطی کیونکر لگتی۔ [1]

مذکورۂ بالا تحقیق سے ظاہر ہے کہ عزیر کی تحریر کردہ تورات بھی غلط رہی اب اگر بقول یہود کے تسلیم کر لیا جائے کہ عزیر نے تورات گم ہو جانے کے بعد پھر ان کو لکھوا دی تھی اور وہ صحیح بھی تھی پھر بھی سلسلۂ سند کا اتصال ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حادثۂ انتیوکس میں وہ نسخہ اور اکثر نقول ضائع ہو چکے تھے۔

اس حادثہ کی قدرے تفصیل آئندہ آتی ہے۔

انسائیکلوپیڈیا بائبلیکا میں ڈاکٹر سکندر کیدس سے جو فضلائے مسیحین میں معتمد شخص ہے منقول ہے وہ اپنی کتاب دیباچۂ بائبل جدید میں لکھتا ہے کہ۔

مجھے دلائل خفیہ سے تین چیزوں کا یقین ہو گیا ہے (۱) موجودہ تورات موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں۔ (۲) تورات عہدِ موسیٰ علیہ السلام میں مکتوب نہیں ہوئی بلکہ بعد میں کبھی کنعان یا یروشلم میں لکھی گئی ہے (۳) تورات کا تصنیف ہونا داؤد علیہ السلام کے عہد سلطنت سے قبل ثابت نہیں ہوتا اور نہ عہد حزقیال کے بعد بلکہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں اُس کا تالیف ہونا ظاہر ہوتا ہے گویا ایک ہزار سال ولادت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل یا اس کے قرب و جوار میں سمجھ لیجئے۔ خلاصہ یہ ہے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو اظہار الحق ص۱۶۶ جلد ۲

کہ موسیٰ علیہ السلام کے ۵۰۰ سال بعد اس کا تصنیف ہونا قرین قیاس ہے۔

فاضل تورتن جو کہ مسیحی علماء میں سے ہے اس جگہ ایک عجیب بات لکھ گیا ہے وہ کہتا ہے۔

"یہ کیا بات ہے کہ تورات کے محاورات میں اور ان کتب کے محاورات میں جو بنی اسرائیل کے قید بابل سے رہائی کے بعد کی تصانیف ہیں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا حالانکہ دونوں زمانوں میں ۹۰۰ سال کا فاصلہ ہے اور اس امر کا تجربہ شاہد ہے کہ ادوار زمان کے اختلاف سے زبانوں میں بہت کچھ اختلاف ہو جاتا ہے مثلاً آج جو انگریزی زبان ہے اگر اس کا ۴۰۰ سال قبل کی زبان سے مقابلہ کیا جاوے تو اس میں یقیناً بہت بڑا تفاوت ہوگا اسی محاورات کے اشتراک کو دیکھکر فاضل لیوسلسن کی رائے یہ قائم ہوگئی ہے کہ درحقیقت تورات اسی زمانہ کی تصنیف ہے جو بنی اسرائیل کی رہائی کا زمانہ ہے۔

یہ فاضل لیوسلسن وہ شخص ہے جس کو عبرانی زبان میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ تورتن اس جگہ ایک تنبیہ اور کر گیا ہے وہ کہتا ہے کہ "موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ رسم کتابت ہی نہ تھی"

فاضل ہندی مولانا رحمت اللہؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ۔

اس بیان سے تورتن کا مقصود یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ رسم کتابت ہی نہ تھی تو پھر ان پانچ کتابوں کا کاتب موسیٰ علیہ السلام کو کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اگر تاریخ اس امر کی شہادت دے تو فی الواقع یہ دلیل نہایت قوی ہے۔

لندن مطبع چارلس والسن ۱۸۵۰ء کی ایک مطبوع تاریخ میں ہے۔

پہلے زمانہ میں طریق کتابت یہ تھا کہ لوہے کی سلائیوں سے پیتل یا ہڈی یا سیسہ یا لکڑی یا موم پر نقش کر دیا کرتے تھے اس کے بعد اہل مصر نے بجائے ان کے درخت کے پتے استعمال کرنا شروع کر دیئے پھر قرن ثامن میں روئی اور ریشم کا کاغذ تیار ہوا اور تیرہویں قرن میں کپڑے کا کاغذ بنا اور ساتویں

قرن میں قلم کی ایجاد ہوئی سلہ

اگر اس مورخ کا کلام صحیح ہے تو بلا شبہ اس سے نورتن کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مروجہ تورات وانجیل کے متعلق کوئی ضمانت نہیں دیجا سکتی کہ آسمان سے نازل شدہ کتابیں یہی ہیں اور رہ گئے یہود ونصاریٰ کے دعاوی تو جب تک ان کے ساتھ واقعات کی شہادت نہ ہو ان کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ سلہ

غرض تورات کا حال گو نسبتہً غنیمت سہی مگر سند کا اتصال یہاں بھی مفقود ہے موسیٰ علیہ السلام کے کچھ زمانہ بعد تک گو حفاظت کا تسلسل ثابت ہوتا ہے مگر یہ تسلسل سلیمان علیہ السلام کے عہد سے قبل ایسا معدوم ہو جاتا ہے کہ اصل تورات کا پتہ تک نہیں لگتا۔ سفر ملوک اول ۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس صندوق میں موسیٰ علیہ السلام کی وصیت کردہ تورات موجود تھی وہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں نہیں رہا تھا بلکہ جب بنی اسرائیل کے بزرگ یروشلم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے اور کاہنوں نے خداوند کے عہد کا صندوق کھولا تو اس میں تورات کا نسخہ نہ تھا بجز ان دو لوحوں کے جن پر احکام عشرہ لکھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد حسب بیان کتب مقدسہ آخری عہد میں سلیمان علیہ السلام کے ارتداد کا عظیم الشان حادثہ رونما ہوتا ہے (العیاذ باللہ) بت پرستی رواج پا جاتی ہے معابد بنائے جاتے ہیں۔ بت تراشے جاتے ہیں ایسی بت پرستی کے دور میں بھلا کسی کو توراۃ کی حفاظت کا کیا خیال آسکتا ہے۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے بعد اس سے بڑھکر ایک اور شدید واقعہ یہ پیش آتا ہے کہ اسباط بنی اسرائیل میں افتراق پیدا ہوتا ہے اور ایک سلطنت کے بجائے دو سلطنتیں قائم ہو جاتی ہیں ایک کا نام سلطنت اسرائیلیہ اور دوسری کا نام سلطنتِ یہودا۔ ان دونوں سلطنتوں میں بھی یہی ہوا گرم رہتی ہے اس زمانہ میں بھی بھلا تورات کی حفاظت کا کیا سوال ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد پھر یوشیا بن آموں کے ایام سلطنت تک تورات کا کوئی پتہ نہیں چلتا یہانتک کہ یہ صدق دل سے تائب ہو کر اس کی سعی کرتا رہا کہ کہیں سے تورات کا نسخہ دستیاب ہو جائے مگر سترہ سال تک نہ کہیں اس کو

سلہ تفصیل کے لئے دیکھئے الفہرست لابن الندیم سلہ اقتباس ہذا اظہار الحق ج ا ص ۱۸۸۔

تورات کا نسخہ دیکھنا نصیب ہوا اور نہ سننے میں آیا۔ اٹھارویں سال میں حلقیا کاہن کہتا ہے کہ اس کو بیت المقدس میں تورات کا ایک نسخہ ملا ہے جیسا کہ سلاطین کی دوسری کتاب ۲۲/۸ سے ظاہر ہوتا ہے مگر اس کو کوئی عاقل تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ جو تورات سلیمان علیہ السلام کے عہد سے قبل مفقود ہو چکی تھی وہ حلقیا کاہن کو پھر اس جگہ مل جاتی ہے جو بارہا دشمنوں کے ہاتھوں لوٹا جا چکا تھا یہ کس قدر تعجب خیز افسانہ ہے کہ جس جگہ زمانۂ دراز تک بتوں کے نام کا مذبح بنا رہا مخالفین ہر وقت آتے جاتے تھے مخالفینِ تورات کا غلبہ رہا وہیں ایک تورات کا نسخہ حلقیا کو مل جاتا ہے جس کا سلطنت کو بھی کئی سال تک سراغ نہ لگا تھا بہت قرینِ قیاس ہے کہ حلقیا کاہن نے سلطنت کا رخ دیکھ کر اپنی سرخروئی اور تقرب کے لئے اس مدت میں ایک خود تراشیدہ تورات کو توراتِ موسیٰ کہا ہو، بالخصوص جبکہ قدمائے مسیحیین اور متاخرین یہود کے زعم میں ترویجِ مذہب کے لئے اس قسم کا اختراع مستحبات مذہب میں سے سمجھا جاتا تھا۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ نسخہ صحیح تھا تو بھی اس کی حفاظت کا دعویٰ یوشیاہ کے ایامِ سلطنت تک کیا جا سکتا ہے۔ یوشیاہ کے انتقال کے بعد پھر سلطنت ارتداد کے قعرِ مذلت میں گر پڑتی ہے اور کئی بادشاہتیں ارتداد کے حال میں گذر جاتی ہیں لہذا تواتر تورات جو یوشیاہ کے زمانہ سے قبل ختم ہو چکا تھا یوشیاہ کے عہد کے بعد پھر ختم ہے۔ یوشیاہ کی صرف تیرہ سال تورات کی حفاظت سے ماقبل و مابعد کے انقطاع کی کیا مکافات ہو سکتی ہے۔ بخت نصر کے عہد کی تباہی کی داستان ان سب سے زیادہ ہے جس نے نہ تورات کو رکھا نہ کسی اور عہد عتیق کی کتاب کو۔ اب اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس کے بعد عزرا نے تورات لکھوا دی تھی تو بھی اس منقطع الاسانید تورات کے لئے کوئی پناہ نہیں ہے کیونکہ تورات کے لئے ایک اور تاریک دور آتا ہے یعنی انیتوکس بادشاہ یروشلم کو پھر فتح کرتا ہے اور عہدِ عتیق کے جسقدر نسخے اس کے ہاتھ لگتے ہیں ان سب کو جلا کر خاک کر دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اگر آئندہ کسی کے پاس کوئی نسخہ عہدِ عتیق کا دیکھا گیا یا اس نے وہ رسمِ شریعت ادا کی تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ ساڑھے تین سال مسلسل یہ مظالم جاری رہے اس درمیان میں عزرا کی تحریر کردہ تورات بھی غائب ہو گئی۔

جان ملنر کہتا ہے کہ تورات کی جو نقول بواسطہ عزرا ظاہر ہوئی تھی وہ حادثۂ انیتوکس میں سب ضائع ہوگئیں اسی پر بس نہیں رفع مسیح علیہ السلام کے ۳۰ سال بعد اسی نمونہ کا ایک اور حادثہ پیش آیا جس کا نام حادثۂ طیطوس ہے۔ اس میں لاکھوں یہودی بھوک سے مرگئے تھے اور نوّے ہزار سے زیادہ قید کرکے بیچ دیئے گئے تھے تفصیل کے لئے تاریخ یوسیفس ملاحظہ ہو۔

بہرکیف اس سلسلہ میں جسقدر قوی شبہات خود ان ہی کتابوں سے ہمیں پیدا ہوتے ہیں ۔ اگر بالاستیعاب ہم ان کو نقل کریں تو پھر اس کی حیثیت ایک مستقل مضمون کی ہوئی جاتی ہے اس لئے ہم صرف اس اجمال پر کفایت کرتے ہیں کہ تورات کا سلسلۂ نقل چونکہ درمیان میں بالکل ناقص ہے اس لئے ہرگز یقین نہیں کیا جاسکتا کہ موجودہ تورات وہی تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتری تھی۔

اگر اس تاریخی بیان سے ہم قطع نظر بھی کرلیں جب بھی موجودہ تورات کا باہمی تہافت اور تناقض اس قدر واضح ہے کہ عقلِ سلیم ایک منٹ کے لئے بھی اُسے کتابِ الٰہی تسلیم نہیں کرسکتی تفصیل کے لئے ابنِ حزم کی کتاب ملاحظہ کیجئے۔

سلسلۂ مضمون کی تکمیل کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں آپ کے سامنے تاریخی طور پر تحریف کے اسبابِ ظاہری بیان کئے گئے ہیں اس کے ساتھ ہی وہ اسباب بھی بیان کردیئے جائیں جو معنوی طور پر تحریف کا موجب بن جاتے ہیں۔ اسباب معنویہ سے میری مراد وہ اسباب ہیں جن کا نتیجہ طبعاً و فطرۃً تحریف ہوتا ہے۔ حالانکہ ظاہری تحریف کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ اسباب پہلے سے زیادہ دقیق اور مہلک ہوتے ہیں، ان کی طرف کوئی فلسفیانہ نظر ہی متوجہ ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان اسباب کا ارتکاب اکثر وہ افراد بھی کرلیتے ہیں جو عقیدۃً مذہب کے حامی کہلاتے ہیں مگر وہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس بیجا خیر خواہی کا ثمرہ مذہب کے لئے تخریب یا تحریف ہوکر رہیگا۔ ان ہر دو اسباب پر نظر کرنے کے بعد آپ جلد تر فیصلہ کرسکیں گے کہ کتبِ مقدسہ کی حفاظت اور غیر محرّف ہونے کا دعویٰ کہاں تک قابلِ سماعت ہے۔

محققِ امت حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اسبابِ تحریف تمثیلاً چند بتائے ہیں۔ [۱]

(۱) تہاون۔ یعنی یہ کہ خدائے برحق کے دین کی ناصر و حامی جماعت کے بعد ایسی قوم جانشین ہو جائے جن کے قلب میں نہ دین کی تعلیم و تعلم کا کوئی جذبہ ہو نہ اس کی اشاعت کا شوق نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی فکر جس کا ثمرہ لازمی طور پر یہی ہوگا کہ دین میں غلط رسوم راہ پکڑ جائینگی اور طبائع میں دینِ الٰہی سے انحراف پیدا ہونے لگیگا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے جب سلسلۂ تہاون چلتا رہتا ہے تو دین کا ایک بڑا حصہ گلدستۂ طاقِ نسیاں ہو جاتا ہے۔ تہاون کی اگر یہ رسم بد کہیں قوم کے معزز افراد میں رونما ہو تو اور زیادہ مصیبت ہے اسی بلا کی بدولت حضرت نوحؑ و حضرت ابراہیم علیہما السلام کی ملت آج کرۂ ارضی پر نابود نظر آتی ہے یہ تہاون کیوں پیدا ہوتا ہے اس کے کچھ اسباب ہیں۔ (۱) صاحبِ مذہب کے اقوال و افعال سے بے توجہی اور قلتِ اعتنا۔ کبھی تہاون کا سبب اغراضِ فاسدہ ہوتی ہیں جیسا کہ ملوک و سلاطین کی محض رضاجوئی اور ان کی خواہشاتِ نفسانیہ کے لئے دین میں باطل تاویلات تراشنا۔ اور کبھی یہ سبب ہوتا ہے کہ علمائے قوم جب فریضۂ نہی عن المنکر کو پسِ پشت ڈالدیتے ہیں تو لامحالہ مرضِ تہاون پیدا ہو جاتا ہے۔

(۲) تعمق فی الدین [۲]۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے اوامر و نواہی کو ایک عامی شخص سنتا ہے اور اپنی فہم نارسا پر اعتماد کر کے دوسری جزئیات میں بھی کسی ادنیٰ تناسب سے یہی حکمِ شرعی لگا دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص سنتا ہے کہ روزہ کا مقصدِ اصلی اصلاحِ نفس اور اس کی مغلوبیت ہے اب محض اتنی بات سمجھکر یہ حکم لگا دے کہ سحری کھانا نہ چاہئے کیونکہ اس سے نفس کو طاقت حاصل ہوگی اور صوم کا اصلی مقصد فوت ہو جائیگا اس غلط اجتہاد کو تحریف ہی کہا جائے گا۔ یا جب کہیں مثلاً تعارضِ روایات کی وجہ سے اس کو اشتباہ پیش آتا ہے تو وہ زیادہ سخت پہلو اختیار کر کے وہ چیز جو شریعت نے اس پر واجب نہیں کی اس کو واجب قرار دیدیتا ہے اس کا نتیجہ بھی بالآخر تحریف فی الدین کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

---

[۱] اقتباس از کتاب حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۰ و ۱۲۱ ج ۱۔ [۲] تعمق فی الدین کی مزید تشریح کیلئے دیکھو احکام الصوم حجۃ اللہ ص ۱۵ ج ۲

کبھی اس کو سنن ہدیٰ اور زوائد میں امتیاز نہیں ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ افعال پر سنن ہدیٰ کا حکم لگا دیتا ہے حالانکہ بہت سے امور حضرت رسالتؐ سے محض عادۃً صادر ہوئے ہیں جن کا تشریع سے تعلق نہیں مگر یہ شخص ان کو بھی اوامر و نواہی کے تحت میں سمجھ لیتا ہے اور اس کم فہمی کے بعد دعوے کرنے لگتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے یہ امر فرمایا ہے اور یہ نہی کی ہے حالانکہ یہ محض اس کے ذہن کی پیداوار ہے شریعت سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔

(۳) تشدد فی الدین یعنی ایسی شاق عبادات کو اختیار کر لینا جن کا شریعت نے امر نہیں فرمایا اگر کہیں ایسا شخص قوم کا پیشوا بن جاتا ہے تو اس کے معتقدین یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کی مرضی شاید یہی ہوگی۔ شدہ شدہ اس کا نتیجہ بھی تحریف بن جاتا ہے۔ یہی روگ رہبانِ یہود اور احبارِ نصاریٰ میں سرایت کر گیا تھا۔

(۴) استحسان۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص دیکھتا ہے کہ شارع ہر حکمت کے لئے ایک مناسب موضع تجویز فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی حکم شرعی وابستہ فرماتے ہیں یہ نادان اسکی پوری حقیقت تو سمجھتا نہیں اور محض اپنی فہم نارسا سے جو مصلحت اس کے ذہن میں آجاتی ہے اس کے مطابق ایک حکم شرعی خود تجویز کر بیٹھتا ہے جس کا نتیجہ تحریف بن جاتا ہے مثلاً یوں سمجھئے کہ یہود نے یہ سمجھا کہ اقامتِ حدود کی حکمت اصلاحِ خلق اور ان کو معاصی سے روکنا ہے مگر چونکہ اب اگر رجم کرتے ہیں تو بجائے اصلاح کے اور اختلاف اور قتل و قتال کی آتش بھڑکتی ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ بجائے رجم کے ایسے شخص کا صرف منہ کالا کر دیا جائے ان مغضوب علیہم کو کیا خبر کہ حدود کے مصالح صاحب شریعت کے نزدیک کیا ہیں صرف ایک ناتمام بات کو تمام سمجھ کر تورات کا حکمِ صریح چھوڑ بیٹھے یہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔

(۵) اتباعِ اجماع۔ اس اجماع سے مراد وہ اجماع نہیں جو کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کی طرف مستند ہو بلکہ وہ اجماع مراد ہے جو عوام کے خیالات سے بلا کسی دلیل شرعی کبھی کبھی محض جہل کی بدولت

پیدا ہو جاتا ہے اب اگر کوئی شخص صحیح حقیقت کے انکار کے لئے ایسے اجماع کی آڑ لے اور اسے قطعی سمجھکر حجت بنائے تو یقیناً یہ تحریف فی الدین ہوگی اسی کا نقشہ قرآنِ کریم نے اس آیت میں کھینچا ہے۔

واذا قیل لہم اٰمنوا بما انزل	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو کچھ نازل فرمایا ہے
اللہ قالوا بل نتبعُ ما الفینا	تم اس پر ایمان لے آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ ہم تو
علیہ اٰباءنا او لو کان اٰباءھم	اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو
لا یعقلون شیئاً و لا	پایا ہے۔ گو کہ ان کے باپ دادا کسی چیز کو نہیں سمجھتے تھے
یھتدون ۔	اور نہ وہ ہدایت یاب تھے ۔

چنانچہ یہود کے پاس عیسیٰ علیہ السلام وخاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کے اسلاف نے ان انبیاء کے احوال کی تحقیق کی بھی تو ان کو (بزعم خود) معیارِ نبوت کے موافق نہ پایا (والعیاذ باللہ)

رہ گئے نصاریٰ تو ان کی اکثر شریعت ہی تورات و انجیل کے خلاف ہے اور سوائے اپنے بزرگوں کے اجماع کے ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(٦) تقلید غیر معصوم۔ اس سے مراد ائمہ کی تقلید نہیں جس میں خطا وصواب دونوں پہلو کا احتمال رہتا ہے کیونکہ اس کے جواز پر تو آج تک امتِ مرحومہ کا اتفاق نقل ہوتا چلا آتا ہے اور اس کے مصالح بھی اظہر من الشمس ہیں بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ طلبِ علوم سے ہمتیں قاصر عام نفوس خواہشات نفسانیہ میں مخمور اور ہر شخص اپنی رائے پر نازاں ہے۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک عالم کی تقلید اس طور پر کی جائے جیسا کہ ایک نبیٔ معصوم کی یعنی جیسا کہ نبی کیلئے شرعیات میں عصمت کا عقیدہ ہے اسی طرح ایک عالم کے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھا جائے اور اس کے قول کے مقابلہ میں صحیح حدیث کو بھی رد کر دیا جائے یہی وہ مذموم تقلید ہے جو یہود و نصاریٰ میں رائج تھی قال تعالےٰ

اتخذوا احبارھم ورھبانھم ان لوگوں نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا کا شریک
ارباباً من دون اللہ۔ ربوبیت بنالیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء کو خدا نہیں بنایا تھا بلکہ ان کی حلال و حرام کی ہوئی چیزوں کو شرعی حلال و حرام پر ترجیح دیتے تھے اسی کو خدا بنانا کہا گیا ہے یہ معاملہ درحقیقت رب کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا جو انھوں نے اپنے احبار کے ساتھ کر رکھا تھا اس کا نام بھی تحریف فی الدین ہے۔

(۷) تخلیط ملت۔ ایک ملت کو دوسری ملت سے ایسا ملا دینا کہ ایک دوسرے کا امتیاز ہی باقی نہ رہے مثلاً یہ کہ ایک شخص کسی دین کا پابند ہے اور اس کے کچھ علوم اس کی نگہ میں کھپ گئے اور دل میں رچ گئے اس کے بعد جب وہ مسلمان ہو جاتا ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہلا رجحانِ قلبی اس کے قلب سے زائل نہیں ہوتا لہٰذا اس کے جواز کا کوئی پہلو اپنے اس رجحانِ قلبی کی وجہ سے وہ اس ملت میں بھی ڈھونڈھا کرتا ہے خواہ کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو بلکہ اس مقصد کے لئے روایات گھڑ لینا بھی جائز سمجھتا ہے اس کا نتیجہ بھی تحریف کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

محققِ اُمت کی اس فلسفیانہ دقتِ نظر کے ساتھ اگر آپ یہود و نصاریٰ کی ماسبق تاریخ پر ایک نظر ڈالیں گے تو آپ کو یہ بداہۃً روشن ہو جائیگا کہ معنوی اسبابِ تحریف میں "تہاون" سے لیکر "تخلیط ملت" تک کوئی ایک سبب بھی ایسا نہ تھا جس میں یہ بدبخت قوم مبتلا نہ ہو۔

حق تو یہ ہے کہ تورات و انجیل کے جمع و تالیف کی یہ افسردہ داستان اور اس سلسلہ میں اس قوم کی سرد مہری، ناسماعد اسباب کا یکسر اجتماع، اور اسباب تحفظ کا کلیتہً انعدام، پیہم نزولِ مصائب سے اس قوم کا ضعف و انتشار یہ سب اس امر کی زبردست شہادتیں ہیں کہ درحقیقت قدرت ان کتب کی حفاظت کی کوئی ضمانت لینا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس بنا پر اگر کبھی کتبِ مقدسہ کے لئے اتفاقاً موافقت میں کچھ اسباب پیدا بھی ہو گئے (جیسا کہ عزار کے زمانہ میں کتابتِ تورات) تو اُس سے زیادہ زبردست اسباب

ان کی مزاحمت کے لئے سامنے آگئے۔ اسباب کی کشمکش کا یہ تماشہ قدرت دکھا کی اور کاتب تقدیر نے اگر فیصلہ لکھا بھی تو مخالف اسباب کے حق میں۔ جب مشیتِ الٰہیہ یوں ہو تو سمجھ لیجئے کہ جذباتِ فطرت اگر ان کے تحفظ کے لئے اُبھرتے بھی تو کیسے۔ اسی لئے میں نے ابتدا مضمون میں عرض کیا تھا کہ فطرتِ صحیحہ درحقیقت مشیتِ الٰہیہ کا سچا آئینہ ہے۔

لہذا یہاں بھی قدرت کی اس پوشیدہ دست برداری کا ظہور عالمِ شہادت میں اس طرح نظر آیا کہ قویٰ ظاہر یہ فریضہ تحفظ میں مضمحل اور جذباتِ فطرت قطعاً معطل ہو گئے۔ پھر جب باغ کا مالی ہی اپنی بہار کو سپردِ خزاں کر دینے کا عزم کر چکا ہو تو بادِ مخالف کا گلہ کیا۔

اس کے برخلاف اگر قدرت ان کتب کے تحفظ کا ارادہ کر لیتی تو اسباب کے ہزار فیصلے مسترد کر سکتی تھی۔ آخر اسباب ہیں ہی کیا ایک ضعیف قلب کا کمزور سہارا اور بس۔ جذباتِ فطرت اس کے لئے لبیک کہتے موافق اسباب کو طوعاً و کرہاً کتبِ مقدسہ کے تحفظ کے لئے کھڑا ہونا پڑتا اور مخالف اسباب کو فنا ہو جانے کے سوا چارہ نہ رہتا اسی کا نام بلند نظروں میں حفاظت الٰہیہ ہے۔ اور پست نظر اسی کا نام مساعدت اسباب یا نامساعدت اسباب رکھتے ہیں۔

یہانتک آپ نے جو کچھ پڑھا وہ توراۃ و انجیل کا حال تھا۔ اب آئیے قرآن مجید کے متعلق معلوم کریں کہ وہ کہاں سے آیا؟ کس کی معرفت آیا؟ کیسے اترا؟ اور کس منزل میں آکر فروکش ہوا؟ قرآن نے ان سب سوالات کے جوابات دیئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

(۱) بل ھو قرآن مجید فی لوحٍ محفوظ ۔	(۱) بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے
(۲۔۳) نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبك	(۲و۳) جبرئیل امین اس کو لیکر آپ کے قلب پر نازل ہوئے
لتکون من المنذرین (پ ۱۹ع ۱۴ الشعراء)	ہیں تاکہ آپ لوگوں کو (عذاب آخرت سے) ڈرائیں۔

فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ	بے شبہ جبریل نے قرآن کو اللہ کی اجازت سے آپ کے قلب
مصدقا لما بین یدیہ وھدی	پر اتارا ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرنیوالا
وبشری للمؤمنین (پ)	ہے اور ہدایت اور خوشخبری ہے مومنوں کے لئے۔ پ۔

(۲) کذٰلک لنثبت بہ فؤادک ورتلناہ (۳) اسی طرح اتارا، تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور

ترتیلا۔	پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔
وقرآنا فرقناہ لتقرأہ علی الناس	اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کرکے پڑھے
علیٰ مکث ونزلناہ تنزیلا۔	تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس مقامِ اصلی سے قرآن اترا ہے اس کا نام لوحِ محفوظ ہے۔ بعد کی دو آیتوں میں دوسرے اور چوتھے سوال کا جواب ہے یعنی جس کی معرفت قرآنِ کریم اترا وہ ایک نہایت امانتدار ایلچی ہے جس کا لقب ہی روح امین ہے کہ اس پر خیانت کا وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا اور چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس منزلِ مقدس میں وہ آکر اترا اس کا نام قلب[۱] مبارک ہے جو درحقیقت اس کے مقامِ اصلی سے کہیں زیادہ شاندار لوحِ محفوظ ہے جس کی تفصیل ابھی آپ کے ملاحظہ سے گذریگی۔

آخری آیات میں تیسرے سوال کا جواب دیا گیا ہے یعنی قرآنِ کریم ایک دفعہ سب کا سب نازل نہیں کیا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا اتارا گیا ہے تاکہ اس کے حفظ وفہم میں سہولت ہو، ظاہر ہے کہ ایک ضخیم کتاب کا یاد کرنا مشکل ہوتا ہے بلکہ یوں بھی اُسے دیکھکر طبیعت پریشان ہو جاتی ہے۔ پہلی آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں

---

[۱] شاید نزولِ قرآن کے لئے قلب کی تخصیص اس لئے بھی کی گئی ہو کہ اصل ادراک قلب ہی میں ہے بقیہ اس کے توابع ہیں جو شے کہ حاسہ بصری سے مدرک ہوتی ہے اس کا ادراک اس درجہ قوی نہیں ہوتا جسقدر کہ مدرک بالقلب کا، عجب نہیں کہ ما کذب الفؤاد ما رأی میں بھی ایسا ہی کوئی راز مضمر ہو اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان اور لما یدخل الایمان فی قلوبکم میں قلب ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کی تفصیل میں ہمیں اس وقت جانا نہیں ہے۔ عقلمنداں را اشارہ کافی است۔ اگر کسی صاحب کو کلامی ذوق ہو تو وہ اس جگہ شیخزادہ علی البیضاوی کی مراجعت فرمائیں۔

فان فی تنزیلہ مفرقا تیسیرًا	قرآن خود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اترا ہے تو اس سے غرض یہ ہے
لحفظ النظم وفہم المعانی	کہ اس کو محفوظ کرنے، اس کے معانی سمجھنے اور کلام کو
وضبط الکلام۔	ضبط کرنے میں سہولت ہو۔

اور دوسری آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فانہ اسر للحفظ واعون علی الفہم	یہ طریقہ یاد کرنے میں سہولت پیدا کرنیوالا اور سمجھنے
روی ذالک عن ابن عباس۔	میں معین ہے۔

اب ناظرین وحی الٰہی کی اس بے نظیر حفاظت کا اندازہ لگائیں کہ اس کے نزول سے قبل ہی آسمان کے دروازے مسترقین سمع پر اس لئے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ مبادا وہ قرآنِ کریم کا کوئی حصہ لے اڑیں۔ [1] اور کاہنین پر القا کر دیں تو پھر ناقص الفہم اشخاص کے لئے کتاب اللہ میں ایک قسم کے التباس کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس کے بعد جب قرآنِ کریم اپنے مراحلِ سفر طے کرتا ہے تو جس جگہ کو چھوڑ رہا ہے اس کا نام لوحِ محفوظ ہے جس کی معرفت آ رہا ہے وہ ہمہ تن امین ہے جس راہ سے گذر رہا ہے وہ تمام تر محفوظ ہے نہ دائیں سے کسی کا گذر نہ بائیں سے کسی کا خطر جس مرکز پر آ کر ٹھہرتا ہے وہ خود ایک لوحِ محفوظ سے بڑھکر لوحِ محفوظ ہے جس تدریج سے اترتا ہے اس میں خود تثبیت وحفظ در حفظ کی حکمت پنہاں ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر قرآنِ عزیز صحف میں مکتوب نازل ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ ایک دفعہ ہی نازل فرما دیا جاتا مگر جس کتاب کے نقوش لوحِ قلب پر منقش کرنے تھے اسے یکبارگی کیسے اتار دیا جاتا۔ جس قرآن کی اولاً چند آیات نازل ہوتی ہیں تو شاہِ دو جہاں کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہونے لگتا ہے اگر اس کے تیس پارے یکلخت اتار دیئے جاتے تو سوچو کیا عالم ہوتا۔

---

[1] حافظ ابنِ کثیر نے اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ میں بدیں عنوان ایک فصل قائم کی ہے فصل فی منع الجان ومردۃ الشیاطین من استراق السمع حین نزل القرآن لئلا یختطف احد ھم منہ ولو حرفاً واحداً فیلقیہ علی لسان ولیہ فیلتبس الامر ویختلط الحق ص۳۴ نیز دیکھو خصائص الکبریٰ ج۱ ص۱۱۔ علماء ومفسرین کو اس جگہ کچھ اشکالات ہیں اس وقت وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

کوئی معمولی نظم تو نہیں تھی جس کا یاد کرنا کھیل تماشا ہوتا کوئی معمولی ذمہ داری نہیں تھی جس کا سنبھالنا مذاق ٹھٹھا ہوتا، کلامِ الٰہی کی حفاظت کا بوجھ تھا اور رسالتِ الٰہیہ کی ذمہ داری تھی، ہزار خطرے دل پر گذر سکتے تھے اس لئے جب قرآنِ کریم نازل ہونا شروع ہوتا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذمہ داری کو محسوس فرماتے، وحیٔ الٰہی کا جذبۂ حفظ ہزاروں قلب کی بے چینیاں اپنے پہلو میں لئے ہوئے مضطرب ہو جاتا۔ ابھی جبرئیل علیہ السلام خود پڑھکر فارغ نہ ہونے پاتے کہ سرورِ کونین خود بھی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے[1]۔ لذتِ سماع جذبۂ حفظ پر غالب آتی جاتی ہے اور جذبۂ حفظ لذتِ سماع کو مغلوب کئے دیتا ہے کوئی حرف کہیں چھوٹ نہ جائے اس کی فکر ایک مجسم پہاڑ بنکر سامنے ہے۔ منزلِ کتاب اپنے پیارے رسول کے جذبات شوق کا یہ اضطراب اور خوفِ نسیان کی یہ بے چینی دیکھ رہا ہے لہٰذا اپنے مقدس رسول کی تسلی و تشفی کے لئے ارشاد فرماتا ہے اِنَّ علینا جمعہ وقرآنہ صحیح بخاری میں ہے ای جمعہ لک صدرک یعنی اے رسول خواہ نخواہ اتنی شفقت اپنی جان پر نہ اٹھاؤ یہ ہماری کتاب ہے خاطر جمع رکھو تمہارے سینہ میں اس کا جمع کر دینا ہمارا ذمہ ہے ایسا یاد کرا دینگے کہ پھر کبھی فراموش نہ ہوگا سنقرئک فلا تنسیٰ اِلّا ما شاء اللہ بالفرض اگر کوئی آیت تمہارے لوحِ قلب سے محو بھی ہوگئی تو اس میں تمہاری کوئی تقصیر نہ ہوگی بلکہ ہماری مشیت ہوگی ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا۔

ہمارے اس بیان سے قلبِ مبارک اور لوحِ محفوظ میں جو ایک نوع کا تشابہ اس جگہ ظاہر ہوتا ہے غالباً وہ بھی آپ کے ذہن میں آگیا ہوگا۔ یعنی جس طرح کہ اس لوحِ قلب کے متعلق قرآن شریف میں نزولِ قرآن اور نسخ و انساء کے دو وصف بیان فرمائے گئے ہیں اسی طرح لوحِ محفوظ کے متعلق آیہ یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت میں اثبات و محو کی دو صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں نزولِ قرآنی کو قائم مقام اثبات اور نسخ و انساء کو بجائے محو کے تصور کر لیجئے تو بآسانی یہ تشابہ مفہوم ہو سکتا ہے مگر اس لوحِ مقدس میں ایک زیادتی ہے وہ یہ کہ اگر یہاں سے کچھ محو ہوگا تو اس کے بجائے اس سے بہتر اس میں کچھ رکھا بھی جائے گا جیسا کہ نأت بخیر منہا سے

---

[1] دیکھو فتح الباری ج ۱ ص ۲۳ زیر شرح فحرک شفتیہ۔

ظاہر ہے مگر اس تصریح سے یہ بشارت لوحِ محفوظ کے حق میں نہیں ہے۔

دوم یہ کہ اس لوحِ ثانی کو صرف محفوظ نہیں فرمایا گیا بلکہ اس کی حفاظت کو اپنے ذمہ لازم کر لیا گیا ہے جیسا کہ اِنَّ علینا جمعہ و قرآنہ کی تفسیر سے ظاہر ہے اور اس لوحِ اول کو محض محفوظ کہا گیا ہے۔ ان ہر دو وجہ سے لوحِ ثانی کی افضلیت لوحِ اول پر ظاہر ہے اگر اس پر غور کیجئے کہ لوحِ ثانی میں اعلیٰ درجہ کا ادراک ہے اور لوحِ اول اس سے یکسر عاری تو جہت فضیلت اور روشن ہو جاتی ہے اس صدر مبارک میں جو مجسم ادراک ہی ادراک ہے اور اُس لوح میں جو قطعاً ادراک نہیں رکھتی جسقدر فرق ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

یوں تو وجوہِ فضیلت لوحِ ثانی کی لوحِ اول پر بہت ہیں مگر یہاں ہمیں صرف اُن ہی پر اکتفا کرنا ہے جو حفظ کی جہت سے پیدا ہو سکتی ہیں اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ قرآنِ کریم لوحِ محفوظ سے نازل ہو کر ایک دوسرے لوحِ محفوظ میں اترا تھا جو پہلے لوحِ محفوظ سے کہیں شاندار ہے۔

میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ قرآنِ کریم نے اپنے قبل النزول حفاظت کے مسٔلہ کو جسقدر صفائی سے بیان فرما دیا ہے کسی دوسری کتاب نے بیان نہیں کیا۔ اس لئے حفظِ قرآن کے مسٔلہ پر بحث کرتے ہوئے ہم اس پہلو کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے بلکہ اگر ذرا عمیق نظر سے دیکھئے تو ان مراحل کے متعلق حفاظت کی صفائی پیش کرنا آئندہ مراحل سے بھی کہیں زیادہ مہم ہے کیونکہ اگر قرآنِ کریم اپنے ابتدائی دور میں ہی محفوظ ثابت نہیں ہوتا تو آئندہ ادوار کی حفاظت ثابت کرنا بے سود ہے۔ ایک مشکوک نظر ایک بیباک زبان کہہ سکتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ قرآنِ کریم اصلی لوح میں ہی محفوظ نہ رہا ہو۔ بہر کیف ابلیس لعین کا گذر تو اس طرف ہوتا ہی ہوگا پھر اس ازلی دشمن سے کیا بعید ہے کہ اس نے موقع پا کر ہماری گمراہی کے لئے وہاں ہی کچھ تصرف کر دیا ہو لہذا جب تک یہ صاف نہ کر دیا جاوے کہ قرآنِ کریم اپنے اصلی مرکز میں بھی ہر قسم کی دستبرد سے محفوظ تھا اس وقت تک دعوی حفاظت قابل سماعت نہیں ہے۔

اور بالفرض اگر اسے بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات پھر بھی ثابت کرنا ضروری ہے کہ اخبارِ کاہنین

کی طرح مسترقین سمع نے اس میں کوئی مداخلت نہیں کی اور اگر یہ بھی مان لیا جائے تو پھر یہ ثابت کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ درمیانی قاصد نے اپنی جانب سے اس میں کوئی تصرف تو نہیں کیا اور اگر اس مرحلہ سے بھی قطع نظر کرلو تو منزل علیہ کے متعلق صفائی پیش کرنا ہنوز درپیش ہے ان سب سے فارغ ہو کر آئندہ حفاظت کے مراحل زیرِ گفتگو لانا معقول ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان امور کے متعلق بھی جس صفائی سے خود قرآنِ کریم نے اپنی صفائی پیش کی ہے اس کو ان ہی الفاظ میں آپ کے سامنے رکھدیا جائے تاکہ ایک معقول پسند انسان کے لئے آئندہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔

اب ہم اپنے مضمون کے مناسب منزل علیہ کے متعلق قرآن کی بیان کردہ صفائی پیش کرتے ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جب مشیتِ ازلیہ نے قرآنِ کریم کی حفاظت کے متعلق یہ انتظامات فرمائے تھے اس کے ساتھ ہی اس کا اقتضا یہ ہوتا ہے کہ ان علوم کے افاضہ کیلئے ایسے قلب کا انتخاب کیا جاوے جسکو ظاہری تعلیم و تربیت سے کوئی سروکار نہ ہو تاکہ اس کلامِ معجز نظام کو وہ امی محض ہو کر اپنی زبان سے تلاوت کرے اور اس کی ظاہری تعلیم قرآن کریم کی صداقت میں متعصب عقلوں کے لئے بھی سدِ راہ نہ ہو اسلئے پہلے ایک امی ہی قوم کا انتخاب ہوتا ہے سبے آب وگیاہ ملک ہے، تمدن ومعیشت کے مکتسب قوانین سے ناآشنا ہے۔ درس وتدریس کا اس کے ماحول میں کوئی ذکر نہیں۔ اس میں ایک ایسے امی کے سر پر تاج نبوت رکھا جاتا ہے جو اس سے پہلے کہ تجلیاتِ ربانیہ اس کے انوار باطنیہ کو مشتعل کریں، ایمان اور کتاب کے نام تک سے آشنا نہیں ہے ما کُنتَ تدری ما الکتابُ ولا الایمانُ شجر وحجر اُسے سلام کرتے ہیں ابر اس پر سایہ کرتا ہے، کاہنین اس کی خبریں دے رہے ہیں اہلِ کتاب اس کے متلاشی ہیں احبار ورہبان اس کی توصیف میں رطب اللسان ہیں، مگر وہ ہے کہ اس سارے ہنگامہ سے ایسا بے خبر کہ ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتا اور عمر کے پورے چالیس سال اسی خاموشی میں بسر کردیتا ہے حتیٰ کہ اس کی یہ طویل زندگی ہر ذی شعور وبے شعور کے سامنے آئینہ بنجاتی ہے کہ ناگاہ خدا وحدہٗ لاشریک کا ایک فرشتہ ایک ریشم کے غلاف[1] میں ایک کتاب جو مجسم ہدایت ہی ہدایت ہے

[1] دیکھو فتح الباری کتاب التفسیر اور الروض الانف ص۱۵۲

ہاتھ میں لئے ظاہر ہوتا ہے۔ اور سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات پڑھانا چاہتا ہے وہ نہایت سادگی سے فرمادیتا ہے کہ ما انا بقارئ درس وتدریس کی پہلی منزل ہے، خدا کے فرستادہ معلم اور اسکی کتاب سے پہلا واسطہ ہے اقرأ کی ناگہانی آواز کے جواب میں اگر ما انا بقارئ نہ فرماتا تو کیا کرتا نہ معلوم کیا راز تھا کہ جس کو کل تک کتاب ایمان کے نام سے اطلاع نہ تھی ایک اقرأ کے خطاب نے اس کے سینہ کو وہ گنجینۂ علوم بنادیا کہ وہ جہان کا معلم بنا جارہا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام بار بار اقرأ کہے جاتے ہیں ادھر سے ہر بار ما انا بقارئ کا جواب ملا چلا جاتا ہے خدا ہی جانے باتوں باتوں میں کہربائیہ ملکیہ نے فطرۃِ نبوت کو کیسا مس (Touch) کیا کہ دفعۃً انوارِ باطنیہ حرکت میں آجاتے ہیں اور روشن ہوجاتا ہے کہ ارے مجھے تو تاجِ نبوت پہنایا جارہا ہے۔ مجھے تو سارے جہان کے معلم ہونے کا منصب بخشا جارہا ہے پڑھا اور ایسا پڑھا کہ جو معلم بن کر آیا تھا خود اس نے بھی سامنے آکر زانوئے ادب تہ کیا ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست　　کتبخانۂ چند ملت بشست

(باقی)

رہنمائے قرآن

تالیف نواب سر نظامت جنگ بہادر صداقتِ قرآنی اور تعلیماتِ اسلامی کی معقولیت و حقانیت پر یہ دلپذیر کتاب نواب صاحب موصوف نے انگریزی میں تصنیف فرمائی تھی۔ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی لنڈن بیرسٹر ایٹ لاء پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اس کو اردو میں منتقل فرمایا ہے، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کی صداقت کو سمجھنے کے لئے اپنے انداز کی یہ بالکل جدید کتاب ہے جو خاص طور پر غیر مسلم یورپین اور انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے لکھی گئی ہے جو حضرات قرآن، وحی، نبوت جیسے مسئلوں کو یورپ کے طریقِ خطاب میں سمجھنا چاہتے ہیں یہ کتاب ان کیلئے عجیب و غریب معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ اس کتاب میں اسلام کے بنیادی مسئلوں کی روح کو حکیمانہ اور فلسفیانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ سادگی اور کمالِ لطافت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ کتابت طباعت نہایت اعلیٰ قیمت ۶ر

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ ”برہان“ قرولباغ۔ دہلی